درس ۷ ایک نظر میں

اب یہاں سے وہ حالات بیان کئے جارہے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے کے دور سے متعلق ہیں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کو جس طرح بیان کیا جارہا ہے اس سیاق کلام میں اس کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں اسلامی جماعت اور یہودیوں کے درمیان جو مختلف النوع اختلافات پائے جاتے تھے' ان پر روشنی ڈالنے کی لئے یہ قصہ بے حد اہم تھا۔

کیونکہ اہل کتاب حضرت اسحاق علیہ السلام کے واسطہ سے اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے اور اپنی اس نسبت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بعد اولاد ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ترقی اور برکت کا وعدہ کرنے پر فخر کرتے تھے۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ ہدایت اور صحیح دین پر قائم رہنا گویا ان کی اجارہ داری ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں چاہے ان کا عمل جیسا بھی ہو۔

اہل قریش بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ اور اپنی اس نسبت پر فخر کرتے تھے اور انہوں نے بیت اللہ کی نگرانی اور مسجد حرام کی تعمیر کے مناصب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے ورثے میں پائے تھے اور پورے عرب پر دینی سیادت اور فضل و شرف کے رتبے بھی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے ورثے میں پائے تھے۔

اس سے قبل جنت کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے دعاوی پر کلام کرتے ہوئے یہاں تک کہا گیا تھا۔ "وہ کہتے ہیں کہ جنت میں صرف وہی شخص داخل ہو گا' جو یہودی ہو یا عیسائی ہو۔" اور دوسری جگہ ان کا یہ قول نقل کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو یہودی یا عیسائی بنانے کی سعی کرتے ہوئے کہتے ہیں! "تم یہودی بن جاؤ یا عیسائی تاکہ ہدایت پاؤ۔" نیز یہ بھی بتایا گیا کہ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو لوگوں کو اللہ کی مساجد میں ذکر الٰہی سے روکتے ہیں اور مساجد کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہاں ہم نے یہ کہا تھا کہ یہ باتیں واقعہ تحویل سے متعلق ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اس موقع پر یہودیوں نے اسلامی جماعت کے خلاف مسموم پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔

اب یہاں حضرت ابراہیم حضرت اسحاق و حضرت اسماعیل علیہم السلام اور بیت اللہ' اس کی تعمیر اور اس سے متعلق اسلامی شعائر کی بابت بات کی جارہی ہے کیونکہ یہی مناسب موقع ہے۔ تاکہ انبیاء کرام کے شجرہ نسب اور باہمی تعلق کے بارے میں یہودیوں' عیسائیوں اور مشرکین کے بے بنیاد دعوؤں کے بارے میں صحیح حقائق لوگوں کے ذہن نشین ہو جائیں اور مسلمانوں کو جس قبلے کی طرف مڑنا ہے اس کے مسئلے کا بھی فیصلہ ہو جائے۔ نیز اس موقع پر دین ابراہیم علیہ السلام یعنی خالص توحید کی وضاحت بھی کر دی جاتی ہے۔ اور یہ بتایا جاتا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین نے جو من گھڑت عقائد اور بے راہ روی اختیار کی ہوئی ہے' اس کا اسلام کے عقیدۂ توحید کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام (اسرائیل جس کی طرف سے یہ لوگ نسبت کرتے ہیں) اور مسلمانوں کے عقائد اور آخری دین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ اللہ کا دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور وہی دین تمام انبیاء اور رسل کا مشن رہا ہے اور وہ کسی قوم یا کسی نسل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے نہ اس پر کسی کی اجارہ داری ہے۔ یہ تو ایک عقیدہ ہے جو دل مومن کی دولت ہے۔ اندھی عصبیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی میراث ہے جو خون اور نسل کے رشتوں پر تقسیم نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور عقائد کے رشتے پر قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی اس دین کو قبول کرے اور اس

کی نگہبانی کرے' وہ جس نسل سے متعلق ہے اور جس قوم کا فرد ہو' وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ یعنی اپنے حقیقی بھائیوں اور صلبی اولاد سے بھی زیادہ۔ کیونکہ یہ اللہ کا دین ہے اور اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی نسبی یا کوئی اور رشتے کا تعلق نہیں ہے۔

یہ حقائق جو اسلامی تصور حیات کے اساسی خطوط کا ایک اہم حصہ ہیں۔ قرآن کریم یہاں انہیں بڑے عجیب طرز ادا میں نہایت واضح کر کے بیان کرتا ہے۔ فصیح وبلیغ انداز بیان کے علاوہ سیاق کلام یہاں غایت درجہ مربوط ہے۔ پہلے بیان کیا جاتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا اور وہ اس آزمائش میں پورے اترے اور اس کے نتیجے میں انہیں امامت عالم کے لئے چن لیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ تعمیر بیت اللہ کے موقع پر جو دعا مانگی اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور امت مسلمہ کو برپا کیا گیا۔ اس لئے امت مسلمہ اس ورثے کی جائز وارث بن گئی اور اولاد ابراہیم علیہ السلام سے یہ اعزاز چھین لیا گیا۔ کیونکہ نظریاتی ورثے کے مستحق صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو رسالت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور اچھی طرح سے اسے روبہ عمل لاتے ہیں اور رسالت کا صحیح تصور قائم رکھتے ہیں۔ یہی ہے علت نظریاتی میراث کی۔

ان تاریخی حقائق کے بیان کے درمیان' طرز ادا سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے مفہوم کے اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے' سلسلہ رسل کی ابتدا میں بھی پیغام اول تھا' اور اس سلسلے کو اختتام پر بھی یہی اسلام رسولوں کا مشن تھا۔ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نظریہ تھا' اور آپ کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام اور دوسری رسالتوں اور تحریکات حقہ کا عقیدہ تھا۔ ان حضرات نے اس امانت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ وراثت آخر کار امت مسلمہ تک آپہنچی۔ اس عقیدے اور اس نظریے پر جو بھی ثابت قدم ہو گا وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا روحانی وارث ہو گا۔ اور وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کا حقدار اور ان کی دی ہوئی بشارتوں کا مصداق ہو گا۔ اور جس شخص نے اسلام سے روگردانی کی اور اپنے نفس کو ملت ابراہیمی سے دور رکھا' تو گویا وہ اللہ کے عہد کا مستحق نہ رہا اور اس نے اپنے آپ کو اس حق وفا سے محروم کر دیا اور ان بشارتوں کا مصداق نہ رہا۔

یہاں اگر یہود و نصاریٰ کے وہ تمام دعوے اپنی اساس کھو دیتے ہیں کہ وہ چیدہ اور برگزیدہ قوم ہیں۔ محض اس لئے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے پڑپوتے ہیں' اور ان کے خلیفہ ہیں۔ اس لئے کہ جب سے انہوں نے عقیدۂ توحید کو خیرباد کہا' تب سے وہ وراثت ابراہیمی سے محروم ٹھہرے۔

اور اس مقام پر قبیلہ قریش کے یہ دعوے بھی منہدم ہو جاتے ہیں کہ وہ بیت اللہ کی تولیت اور دیکھ بھال اور تعمیر کے حقدار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس مقام مقدس کے بانی اول کی روحانی میراث سے انحراف اختیار کر لیا۔ اسی طرح یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی منہدم ہو جاتا ہے کہ وہ بیت المقدس کے اصحاب قبلہ ہیں اور مسلمانوں کے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ وہ بدستور بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھیں۔ اس لئے کہ خانہ کعبہ ان کا بھی قبلہ ہے اور ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی قبلہ تھا۔

ان تمام امور کو ایک حسین وجمیل پیرائے میں ادا کیا گیا جس کے اندر بے شمار واضح اشارات موجود ہیں اور جس کے اندر ایسے مواقف اور مقامات غور و فکر بھی ہیں جن کے اندر نہایت ہی دقیق مفاہیم پوشیدہ ہیں اور ایسی توضیحات ہیں جو نہایت پر اثر ہیں۔ اب ہم اس فصیح وبلیغ انداز کلام پر' درج بالا اشارات کی روشنی میں تفصیلی بات کریں گے۔
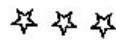
☆ ☆ ☆

درس ے تشریح آیات (۱۲۴ تا ۱۴۱)

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

"یاد کرو جب ابراہیم ﷺ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا "میں تجھے لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔" ابراہیم ﷺ نے عرض کیا! "اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے جواب دیا "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔"

خطاب حضور ﷺ سے ہے۔ ذرا روئیداد ابتلائے ابراہیم ﷺ یاد کرو۔ آپ کو کچھ احکام دیئے گئے۔ آپ پر کچھ بندشیں عائد کی گئیں اور آپ نے پوری وفا کیشی سے ان اوامر و نواہی پر عمل کیا۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ﷺ کی وفا کیشی کو سراہتے ہوئے فرمایا وَ اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی "اور ابراہیم ﷺ جنہوں نے احکام پورے کئے۔" یہ وہ بلند و بالا مقام ہے جس تک حضرت ابراہیم ﷺ پہنچے۔ اس مقام تک جہاں اللہ تعالیٰ خود بندے کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی شہادت دیتا ہے جبکہ بحیثیت انسان ایک ضعیف اور پر تقصیر مخلوق ہے اور اس کے لئے وفا یعنی پوری اطاعت ممکن نہیں ہے۔

اور اس مقام تک رسائی حاصل کرنے ہی کی وجہ سے حضرت ابراہیم ﷺ اس سعادت اور اس اعتماد کے مستحق ہوئے قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ "میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔" ایسا پیشوا جو لوگوں کا قبلہ و کعبہ ہو۔ جو انہیں اللہ تک پہنچانے والا ہو' جو بھلائی کے کام میں سب سے پہلے ہو' اور لوگ ان سے پیچھے ہوں اور وہ ان کا محبوب قائد ہو۔

یہاں آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے انسانی فطرت نمودار ہوتی ہے۔ انسان کے اندر یہ فطری داعیہ موجود ہوتا ہے کہ اس کا تسلسل بذریعہ اولاد جاری رہے۔ یہ ایک گہرا فطری اور نفسیاتی شعور ہوتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کی گہرائیوں میں ودیعت کیا ہوا ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ زندگی کی ترقی جاری رہے اور انسانی زندگی ان خطوط پر آگے بڑھتی رہے جو خالق نے اس کے لئے وضع کئے ہیں۔ اور جن ترقیات کا آغاز اگلوں نے کیا ہوتا ہے' آنے والے اسے مزید آگے بڑھائیں اور تمام نسلوں کے اندر یہ ہم آہنگی قائم رہے۔ یہ شعور جسے بعض لوگ توڑنا چاہتے ہیں اور ختم کرنا چاہتے ہیں' حالانکہ وہ انسان کی عین فطرت کے اندر مرکوز ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ انسان بعض دور رس مقاصد پورے کر سکے۔ اسی جذبے اور شعور کے تحت اسلام نے قانون میراث کے لئے تفصیلی قواعد وضع کئے ہیں تاکہ اولاد و احفاد کی بھلائی کے لئے انسان اپنی سعی جاری رکھے اور تیز تر کر دے۔ آج اس فطری شعور کو منہدم کرنے کے لئے دنیا میں جو سعی نامشکور ہو رہی ہے دراصل فطرت انسانی کی تباہی کا سامان ہے۔ انسان کی اجتماعی زندگی میں بے شک بعض مفاسد پائے جاتے ہیں لیکن ان مفاسد کو ختم کرنے کے لئے خود فطرت انسانی اور انسان کی شخصیت ہی کو تباہ کر دینا ایک نہایت ہی بھونڈا' کوتاہ اندیشانہ اور غیر فطری طریق علاج ہے اور ان اجتماعی مفاسد کا ہر وہ علاج جو خلاف فطرت طریقے سے کیا گیا ہو' کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کبھی بھی مفید نہیں ہو گا اور قطعاً دیرپا نہیں ہو سکتا۔ ایسے علاج موجود ہیں جو ان مفاسد کو تو ختم کر دیں گے لیکن وہ فطرت انسانی سے

بھی متصادم نہ ہوں گے۔ لیکن ایسے طریقے پانے کے لئے ایمان و ہدایت کی ضرورت اور اس بات کی ضرورت ہے کہ معالج کو فطرت انسانی کا مکمل اور گہرا شعور ہو۔ اور اس کی فکر انسان کی طبعی تخلیق سے بھی آگے گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہو اور یہ فکر اور یہ جذبہ اصلاح طبقاتی بغض و عداوت سے پاک ہو' اس لئے کہ ان طبقاتی جذبات کی وجہ سے بجائے اس کے کہ انسان کی کوئی ہمہ گیر اصلاح ہو' انسان ہمہ گیر تباہی سے دوچار ہو جاتا ہے' تو حضرت ابراہیم ﷺ نے کہا قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ "اور کہا کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟"

اس سوال کا جواب حضرت ابراہیم ﷺ کے پروردگار کی طرف سے آتا ہے جس نے انہیں آزمایا اور پھر چن لیا تھا۔ یہ جواب اس اہم اصول کی بنیاد رکھ دیتا ہے جس کا تذکرہ ہم کر آئے ہیں۔ یہ کہ امامت و قیادت ان لوگوں کا حق ہے جو اپنے شعور اور طرز عمل اور اپنی صلاحیت اور ایمان سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کر دیں۔ یہ کوئی نسلی اور موروثی منصب نہیں ہے کہ باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا چلا آئے۔ یہاں رشتہ و تعلق' خون' نسل اور قومیت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ یہاں دین و ایمان کے رشتے مدار تعلق ہوتے ہیں اور منصب و قیادت کے معاملے میں خونی' نسلی اور قومی نعرے دعوائے جاہلیت کے زمرے میں آتے ہیں' جو حیات انسانی کے بارے میں صحیح انسانی نقطۂ نظر کے ساتھ صریحاً متصادم ہوتے ہیں۔

قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ "کہا میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔"

ظلم کی بھی کئی قسمیں اور کئی رنگ ہیں۔ نفس انسانی کا شرک کرنا بھی ایک طرح کا ظلم ہے۔ لوگوں کی جانب سے اللہ کی نافرمانی بھی ایک ظلم ہے۔ ظالموں پر یہاں جس امانت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے' اس سے عمومی امامت مراد ہے' جو امامت کی تمام اقسام پر مشتمل ہے۔ امامت رسالت' امامت خلافت' امامت صلوٰۃ اور ان کے علاوہ بھی امامت و قیادت کے تمام مناصب شامل ہیں۔ لہٰذا عدل و انصاف' اپنے وسیع معنوں میں' ہر قسم کی امامت کے استحقاق کے لئے پہلی شرط ہے۔ اور کوئی شخص کسی قسم کے ظلم کا ارتکاب بھی کرے' وہ اپنے آپ کو امامت و قیادت کے استحقاق سے محروم کر دیتا ہے' چاہے وہ قیادت جیسی بھی ہو۔

یہ جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا اور یہ عہد جس کے الفاظ میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہودی ہمیشہ منصب قیادت سے دور اور محروم رہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا' فسق و فجور میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' اور انہوں نے اپنے جد امجد کے عقائد و نظریات کو ترک کر دیا۔

نیز جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اور یہ عہد جس کے الفاظ میں کوئی کجی اور کوئی غموض نہیں ہے' ان لوگوں کو بھی قطعی طور پر منصب امامت سے محروم کر دیتا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں' انہوں نے بھی ظلم کا ارتکاب کیا ہے' فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور بھٹک گئے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ وہ دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنی پوری زندگی سے اللہ تعالیٰ کی شریعت اور ان کے نظام حیات کو باہر نکال دیا ہے۔ ان لوگوں کا دعوائے اسلام محض جھوٹا دعویٰ ہے' جو دراصل اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی اساس محکم پر استوار نہیں ہے۔

اسلامی تصور حیات ان تمام رشتوں اور تعلقات کی جڑ کاٹ دیتا ہے جو کسی فکر و نظریا وحدت عمل کی اساس پر قائم نہیں ہوتے۔ وہ صرف ایسے رشتوں اور تعلقات کو تسلیم کرتا ہے جو وحدت نظریہ اور عمل کی اساس پر قائم ہوں۔ اس کے علاوہ جو روابط بھی ہوں اسلام کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہے بلکہ اسلام ایک ہی امت کی ان دو نسلوں میں بھی تفریق کر دیتا ہے جب کہ ایک نسل اپنے عقیدے اور نظریہ میں دوسری کی مخالف ہو جائے۔ بلکہ اگر عقیدے کا تعلق ٹوٹ جائے تو اسلام باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان بھی جدائی کر دیتا ہے۔ غرض حالت شرک کی عرب دنیا اور حالت اسلام کی عرب دنیا میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں کے درمیان اسلامی نقطۂ نظر سے

کوئی تعلق نہیں' کوئی ربط اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے وہ ایک امت ہیں اور جن لوگوں نے حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے دین کو ترک کیا اور ایک دوسری امت ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بھی کوئی تعلق' کوئی رابطہ اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہاں خاندان کی تشکیل باپ دادا پوتوں کے تعلق سے نہیں ہوتی بلکہ یہاں وہ لوگ افراد خاندان ہوتے ہیں' جو ایک عقیدے اور نظریئے پر جمع ہو جائیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے کسی امت کی تشکیل بھی نسلی بنیادوں پر نہیں ہوتی بلکہ امت کی تشکیل اہل ایمان سے ہوتی ہے۔ خواہ ان کے رنگ' ان کی نسل اور ان کے وطن مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ غرض یہ ہے اسلامی تصور حیات جس کے چشمے کتاب الٰہی کے اس ربانی انداز بیان سے پھوٹتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

"اور یہ کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم ؑ جہاں عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو اور ابراہیم ؑ اور اسماعیل ؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔" (۲-۱۲۵)

یہی گھر ہے خدا کا کہ آج جس کے مجاور اہل قریش' اہل ایمان کو خوفزدہ کر رہے ہیں' انہیں طرح طرح کی اذیت دے رہے ہیں' انہوں نے محض دین و ایمان کے جرم میں ان پر طرح طرح کے مصائب ڈھائے' یہاں تک کہ وہ اس گھر کے پڑوس اور اس کی برکات کو چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ حالانکہ اس گھر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ مرکز عوام ہو گا اور تمام لوگ ہر طرف سے اس کا رخ کریں گے۔ یہاں کوئی انہیں خوفزدہ کرنے والا نہ ہو گا۔ یہاں انہیں روحانی اور جسمانی امن و طمانیت حاصل ہو گی۔ کیونکہ یہ گھر بذات خود مجسمہ امن منبع طمانیت اور جائے سلامت ہے۔

لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت ابراہیم ؑ کے مقام عبادت یعنی خانہ کعبہ کو (مقام ابراہیم ؑ سے میری رائے اور ترجیح کے مطابق پورا خانہ کعبہ مراد ہے) جائے نماز اور مقام عبادت قرار دیں۔ اس لئے یہ بات اب بالکل منطقی ہے کہ یہی گھر اہل اسلام کا بھی قبلہ ہو۔ اور اس پر کسی کا کوئی اعتراض جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہی مناسب قبلہ ہے کیونکہ ایمان اور توحید کی نسبت سے صرف مسلمان ہی حضرت ابراہیم ؑ کی ملت ہیں اور اس کے وارث ہیں۔ اور خانہ کعبہ صرف اللہ کا گھر ہے۔ کسی انسان کا گھر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جو اس کا مالک ہے' اس نے اپنے نیک بندوں میں سے دو حضرات حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت اسماعیل ؑ کو یہ فریضہ سپرد کیا تھا' کہ وہ اسے ان لوگوں کے لئے پاک وصاف اور تیار رکھیں جو یہاں رکوع و سجود کی غرض سے آئیں گے اور یا جو لوگ مقام امن کی تلاش میں یہاں پناہ لیں گے' یا حج و زیارت کی غرض سے یہاں آئیں گے۔ یا وہ لوگ جو یہاں مقیم ہیں اور اس گھر میں اعتکاف کرتے ہیں یا جو باہر سے بغرض عبادت یہاں پہنچتے ہیں' یہاں تک کہ یہ گھر خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ملکیت بھی نہ تھا۔ تاکہ موروثی

طور پر یہ حقوق قریش کو حاصل ہو جاتے۔ قریش تو محض اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے اس کے مجاور اور خادم مقرر ہوئے تھے کہ وہ اسے یہاں آنے والے اہل ایمان کے لئے تیار رکھیں۔

وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۲۶﴾

"اور یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا! اے میرے رب' اس شہر کو امن کا شہر بنا اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں' انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔" جواب میں اس کے رب نے فرمایا!" اور جو نہ مانے گا دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا مگر آخر کار اسے جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔" (۲-۱۲۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ایک بار پھر اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اللہ کا یہ گھر بیت الامن ہے۔ اور ایک بار پھر یہاں اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلام میں وراثت و نیابت کا مدار اخلاقی فضیلت اور نیکی پر ہے۔ اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو ہدایت دی گئی تھی کہ لَا يَنَالُ عَهۡدِي الظّٰلِمِيۡنَ "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔"

تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام خوب سمجھ گئے تھے کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعائے رزق میں مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ "جو اللہ اور آخرت کو مانیں" کہہ کر از خود غلط لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ اس لئے کہ وہ سنت الٰہی اور منشائے الٰہی کو خوب سمجھ گئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت ہی حلیم الطبع اور خدا ترس پیغمبر تھے۔ وہ نہایت ہی یکسو اور راہ مستقیم پر گامزن رہنے والے تھے۔ وہ فوراً وہ طرز عمل اختیار کر لیتے تھے جس کا انہیں حکم دیا جاتا تھا۔ اور آپ ء دعا و درخواست میں بھی منشائے الٰہی کو ملحوظ رکھتے تھے۔ تو اس مقام پر اللہ میاں ان کی دعا کا جواب یوں دیتے ہیں کہ جن لوگوں کے بارے میں آپ خاموش ہو گئے تھے۔ یعنی اہل کفر اور اہل جہنم ان کے بارے میں بھی کہہ دیا جاتا ہے وَ مَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ

"اور جس نے کفر اختیار کیا تو دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا مگر آخر کار اسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ وَ اِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَ اِسۡمٰعِيۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

۱۵ ع۸ ۱۵

"اور یاد کرو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے' تو یہ دعا کرتے جاتے تھے!" اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب' ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا' ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا' جو تیری مسلم ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا' اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما' تو بڑا معاف کرنے والا' رحیم فرمانے والا ہے۔ اور اے رب! ان لوگوں میں خود ان کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو' جو انہیں تیری آیات سنائے۔" ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔"

ذرا انداز کلام ملاحظہ ہو! کلام کا آغاز حکایتی ہے۔ ایک قصے کا آغاز یوں ہوتا ہے۔ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ "اور یاد کرو کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔"

اب قاری انتظار میں ہے کہ یہ حکایت آگے بڑھے گی' لیکن اچانک ہمارے تصور کے اسکرین پر ایسا منظر آتا ہے کہ گویا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اس پر سامنے آتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ گویا تصور نہیں بلکہ ہم اپنی آنکھوں سے ان حضرات کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ ہمارے سامنے حاضر ہیں اور قریب ہے کہ ہم ان حضرات کی یہ رقت آمیز دعا اپنے کانوں سے سن لیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

"اے ہمارے رب' ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب' ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا' ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا' جو تیری مسلم ہو' ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما' تو بڑا درگزر فرمانے والا' رحم فرمانے والا ہے۔

زمزمہ دعا' نغمہ التجا اور طلب مدعا کی یہ عجیب فضا بالکل آنکھوں کے سامنے ہے' گویا یہ سب کچھ اسی وقت ہو رہا ہے۔ ایک زندہ اور متحرک منظر سامنے ہے جس کے کردار مشخص کھڑے ہیں۔ حسین و جمیل تعبیر اور انداز گفتگو قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ہے۔ قرآن مجید ازمنہ سابقہ کے کسی بھی منظر کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ بالکل اسکرین پر چلتا ہوا نظر آتا ہے۔ زندگی سے بھرپور' متحرک اور شخصی تصویر کشی اور منظر نگاری کی یہ ایسی خصوصیت ہے جو اللہ کی اس دائمی کتاب ہی کو زیب دیتی ہے اور ہے بھی معجزانہ۔

اور اس دعا کے اندر کیا ہے؟ نبوت کی نیازمندانہ ادا' نبوت کا پختہ یقین اور اس کائنات میں نظریہ اور عقیدے کا پیغمبرانہ شعور۔ یہی ادا اور یہی یقین اور یہی شعور اللہ تعالیٰ وارثان انبیاء کو سکھانا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید کی یہ کوشش ہے کہ اس القاء کے ذریعہ یہ شعور وارثان انبیاء کے دل دماغ میں عمیق تر ہو جائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ O "اے ہمارے رب' ہم سے قبول فرما' بے شک آپ ہی سننے والے ہیں اور جاننے والے ہیں۔" یہ دعائے اجابت ہے۔ اور یہی منتہائے مراد ہے۔ اس لئے کہ یہ عمل خالص اللہ کے لئے ہے۔ خشوع خضوع کے ساتھ۔ اس کے ذریعہ وہ دونوں اللہ کی جانب متوجہ ہوں۔ اور اس سب کارروائی اور عمل کے پیچھے صرف رضائے الٰہی اور مقبولیت دعا

کا جذبہ کارفرما ہے۔ اور امید کی کرن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس پکار کے پیچھے جو جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور پکارنے والے کا جو شعور ہوتا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہوتا ہے۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ أَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ "اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا مطیع فرمان بنا' ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مطیع ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما' بے شک تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" (۲-۱۲۸)

یہ اس معاونت کی امید ہے جو یہ دونوں اسلام کی طرف ہدایت پانے کے سلسلے میں اللہ سے رکھتے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ پختہ شعور تھا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں ہیں' یہ کہ ہدایت صرف اس کی ہدایت ہے۔ اس کی معاونت و توفیق کے بغیر کوئی نہیں جو ہدایت پا سکے۔ اس لئے وہ دونوں ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ اور اس کی طرف راغب اور مائل ہیں اور اللہ تو بہترین مددگار ہے۔

امت مسلمہ کا یہ مزاج ہے کہ وہ باہم معاون و مددگار ہوتی ہے۔ اس کے افراد نسلاً بعد نسل نظریاتی طور پر باہم پیوست ہوتے ہیں' اس لئے دعا کی جاتی ہے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ 'اور ہماری نسل سے بھی تیری مسلم امت پیدا ہو۔"

یہ ایک ایسی دعا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل مومن کی پہلی تمنا کیا ہوتی ہے۔ عقیدہ اور نظریہ ہی ایک مومن کا محبوب' مشغلہ ہوتا ہے۔ وہ اس کی پہلی ترجیح ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے سامنے اس دولت کی اہمیت واضح تھی جو انہیں دی گئی تھی یعنی دولت ایمان اور ثروت عقیدہ۔ یہ اہمیت اور خواہش انہیں مجبور کرتی ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی اس دولت کے بارے میں التجا کریں۔ اس لئے وہ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی اولاد کو بھی اس دولت ثروت سے محروم نہ رکھیں جس کی قدر و قیمت کے برابر کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اس سے قبل انہوں نے دعا کی تھی کہ وہ ان کی اولاد کو وسائل رزق فراوانی سے دیں۔ اس لئے انہوں نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ ان کی اولاد دولت ایمان سے بھی محروم نہ ہو۔ انہوں نے یہ دعا بھی کی کہ وہ ان کی اولاد کو تعلیم مناسک بھی دے۔ ان کو طریقۂ عبادت بھی سکھائے' ان کی مغفرت کرنے والا غفور الرحیم ہے۔

اس کے بعد وہ مزید التجا کرتے ہیں کہ ازمنہ بعیدہ میں بھی وہ ان کی ہدایت کے لئے مستقل بندوبست فرمائیں۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اے اللہ! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول مبعوث فرما جو تیری آیات کی تلاوت کرے' ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو پاک کر دے۔ بے شک تو غالب و حکیم ہے۔"

حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اس دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اب اس رسول کریم کی بعثت ہوئی ہے اور کئی صدیاں گزرنے کے بعد' اور آپ کی بعثت حضرت ابراہیم ﷺ و اسماعیل ﷺ کی اولاد میں سے ہوئی جو اب انہیں آیات سناتے ہیں' انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور انہیں ہر قسم کی گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاں مخلصانہ دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے لیکن وہ اپنے اس وقت میں ظاہر ہوتی ہے' جو اللہ تعالیٰ کی حکمت نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہوتا ہے۔ عام لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ جلد بازی کرتے ہیں اور جو لوگ منزل مراد نہیں پاتے وہ مایوس و پریشان ہوتے ہیں۔

سورۂ بقرہ کی اس دعا کے نزول کے وقت مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک ہمہ گیر کشمکش جاری تھی' ان حالات میں اس دعا کے اندر بعض اشارات بھی پنہاں ہیں اور اس کی خاص اہمیت ہے۔ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ جن کو اس گھر کی تعمیر و تطہیر اور عبادت گزاروں' زیارت کنندگان اور وہاں ٹھہرنے والوں کے لئے سہولیات فراہم کرنے کا حکم دیا گیا تھا' وہ دونوں موجودہ مجاوروں یعنی قریش کے

آباؤ اجداد جن کے ہاتھ میں آج خانہ کعبہ کا انتظام ہے۔ اور ان کا واضح فرمان ہے "ہمیں اپنا مطیع فرمان بنا" اور "ہماری اولاد سے بھی ایک امت مسلمہ اٹھا" جس طرح انہوں نے یہ بھی کہا "اے ہمارے رب ان میں خود انسے ایک رسول مبعوث فرما' جو انہیں آیات پڑھ کر سنائے' انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو پاکیزہ بنادے۔" گویا حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اپنی اس دعاسے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ امت مسلمہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی جانشین و خلیفہ ہے۔ اور اس بات کی حق دار ہے کہ اب خانہ کعبہ کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہو۔ گویا خانہ کعبہ امت مسلمہ کا مرکز ہے۔ اور مشرکین کے مقابلہ میں یہ امت "اس خانہ خدا کے انتظام و انصرام کی زیادہ حقدار ہے اور یہ کہ یہ یہود و نصاریٰ کے قبیلوں کے مقابلے میں اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ امتِ مسلمہ کا اپنا قبلہ ہو۔

جو لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہدایات پر ہیں اور اپنے دین کا جوڑ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیمی کے وارث و جانشین ہیں اور قریش کے جو لوگ اپنا نسب نامہ حضرت اسماعیل سے ملاتے ہیں انہیں کان کھول کر سن لینا چاہئے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے جب اپنی اولاد کی نسبت سے اس جانشینی اور امامت و سلطنت کا سوال کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ تھا۔

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ "میرا وعدہ ظالموں کی بابت نہیں ہے۔"

اور اس کے بعد جب ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے برکت و فراوانی رزق کی استدعا کی تو آپ نے فرمایا مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ "جو اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے۔"

اور یہ کہ جب یہ حضرات تعمیر کعبہ کے لئے اٹھے تو انہوں نے یہ دعا کی کہ اے رب! ہمیں اپنا مطیع فرمان بنا اور یہ کہ ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت مسلمہ اٹھاتے رہیو! اور یہ کہ ہماری اولاد میں سے نبی آخر الزمان کو مبعوث فرمایئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور حضرت محمد بن عبداللہ کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ امت مسلمہ کو از سر نو قائم فرمایا اور اس نظریاتی وراثت کو یوں جاری فرمادیا۔

قصہ ابراہیم ؑ کے اختتام پر اب روئے سخن ان لوگوں کی طرف مڑ جاتا ہے جو لوگ امت مسلمہ کے حق امامت و برتری کو چیلنج کر رہے تھے' جو رسول خدا ﷺ کی نبوت اور رسالت سے بر سرپیکار تھے اور حضور سے اس موضوع پر بحث و جدال میں مبتلا تھے کہ دین اسلام کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ اصل دین کیا ہے اور ان کے مزعومات کیا ہیں اس لئے قرآن مجید ان لوگوں کے بارے میں یہ تاثر دیتا ہے۔ ☆☆☆☆☆☆ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

"اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا ہو' اس کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟ ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لئے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہو گا۔

اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا مسلم ہو جا تو اس نے فوراً کہا "میں مالک کائنات کا مسلم ہو گیا" اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا۔ اس نے کہا تھا "میرے بچو اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک مسلم رہنا۔"

یہ ہے ملت ابراہیم علیہ السلام یعنی خالص اور واضح اسلام اور فرمان برداری۔ اور اس سے کنارہ کش صرف وہی ہو گا جو اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ اس سے وہی دور ہو گا جو دراصل احمق ہو گا۔ اور اپنے آپ کو برباد کرنے والا ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جسے رب ذوالجلال نے دنیا کی امت کے لئے چنا اور جن کے بارے میں اللہ نے گواہی دی کہ وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے۔ انہوں نے اس دین کو پسند کیا ہے۔ جب ان سے ان کے رب نے کہا "مسلم ہو جا" تو انہوں نے بغیر ہچکچاہٹ کے اور بغیر کسی تردد اور انحراف کے فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور فوراً کہا قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "میں رب العلمین کا فرماں بردار ہو گیا ہوں۔"

یہ ہے ملت ابراہیمی، خالص اسلام اور واضح دین۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسے صرف اپنی ذات تک محدود نہیں چھوڑا بلکہ اسے اپنی اولاد کے لئے بھی پسند کیا۔

اپنی اولاد کو وصیت کی کہ وہ اسے اپنائے رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی اور یاد رہے کہ حضرت یعقوب ہی وہ اسرائیل ہیں جن کی طرف یہ لوگ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ لیکن اس کی وصیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے جد امجد کی وصیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیهما السلام دونوں نے اپنی اولاد کو یہ یاد دہانی کرائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس دین کو پسند کیا ہے یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ "میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے۔"

یہ اللہ کی پسند ہے لہٰذا اللہ کی پسند کے بعد اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی راہ نہیں ہے کہ وہ اسے پسند کریں اور اللہ کے اس فضل و کرم اور خصوصی عنایت کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس پسند اور اس عطا پر اس کا بے حد شکر ادا کریں اور ہر وقت یہ سعی کرتے رہیں کہ کسی دور اور کسی زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی یہ سرزمین امت مسلمہ سے خالی نہ ہو اور اس زمین پر خدا پرستی کی یہ تحریک ہر وقت جاری و ساری رہے فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O "تم صرف اس حال میں مرو کہ تم مسلم ہو۔"

اور اب صدیوں بعد خدا تعالیٰ نے تمہیں یہ موقع فراہم کر دیا ہے۔ اب تو وہ رسول بھی آگیا ہے جو تمہیں اسلام کی طرف دعوت دے رہا ہے اور اس کی بعثت نتیجہ ہے اس دعا کا جو تمہارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام نے صدیوں پہلے کی تھی۔

..........O..........

یہ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیت جو انہوں نے اپنی اولاد کو کی تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی تھی۔ اور یہ وصیت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی زندگی کے اختتامی لمحات میں پھر اپنی اولاد کے سامنے بطور تاکید دہرائی تھی۔ اور اس میں ان کی دلچسپی اس قدر سوا تھی کہ زندگی کے آخری لمحات اور سکرات الموت میں بھی وہ اسے نہ بھلا سکے۔ بنی اسرائیل کو چاہئے کہ وہ اس پر خوب غور کریں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ

إِسْمٰعِيلَ وَ إِسْحٰقَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

"پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا بچو میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟ ان سب نے جواب دیا! ہم اس ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے آپ کے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام نے خدا مانا ہے اور ہم اس کے مسلم ہیں۔"

سکرات الموت کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کا یہ منظر ایک عظیم منظر ہے۔ یہ منظر ایک نہایت ہی نصیحت آموز' سبق آموز اور پرتاثیر منظر ہے۔ ایک شخص موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اور ان لمحات میں اس کے دل دماغ پر کیا چھایا ہوا ہے؟ وہ کیا دلچسپی ہے جس میں اس کا دل دماغ مشغول ہے حالانکہ وہ زندگی کے آخری لمحات میں ہے۔ اس وقت وہ کس عظیم الشان معاملے پر بات کر کے اس کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی اولاد کے لئے کیا ترکہ چھوڑ رہے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ وہ اس ترکہ کی آخر دم تک حفاظت کریں اور وہ آخری ہچکیوں میں اسے اولاد کے حوالے کر رہے ہیں اور اس پر بڑی تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ یہ ترکہ نظریۂ حیات اور عقیدے کا ترکہ ہے۔ یہی دولت ہے جسے وہ بیٹوں کے حوالے کرتے ہیں اور یہی وہ اہم مسئلہ ہے جس میں وہ بے حد دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہ ہے وہ عظیم الشان معاملہ جو آخری لمحات میں بھی انہیں یاد ہے۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ "تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے۔"

یہ وہ عظیم معاملہ ہے جس کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ اور اس اہم معاملے میں' میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اطمینان حاصل کر لوں۔ یہ میری دولت ہے' میرا ترکہ ہے اور وہ اہم امانت ہے جو میں تمہارے سپرد کر رہا ہوں قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَ إِلٰهَ اٰبَآئِكَ إِبْرٰهٖمَ وَ إِسْمٰعِيْلَ وَ إِسْحٰقَ إِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ان سب نے کہا! ہم اس ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے' آپ کے بزرگوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق علیهم السلام نے خدا مانا۔ اور ہم اس کے مسلم ہیں۔"

یوں وہ اپنے دین کو پہچان لیتے ہیں۔ اسے یاد کر لیتے ہیں۔ اس ورثے کو وہ قبول کرتے ہیں۔ اور اس کی حفاظت کا مصمم ارادہ کر لیتے ہیں اور یوں وہ اپنے والد محترم کو مطمئن کر دیتے ہیں جو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے آخر تم تک ہمیشہ اس وصیت کا خیال رکھا اور وہ ہمیشہ اس بات کے معترف رہے کہ وہ مسلم ہیں۔ اس موقع پر قرآن مجید بنی اسرائیل سے یہ سوال کرتا ہے۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ "کیا تم موجود تھے جب حضرت یعقوب ؑ کے سامنے موت آگئی۔"

ہاں یہ واقعہ ہوا تھا' قرآن مجید اس کی گواہی دیتا ہے' اس کی تائید کرتا ہے۔ یوں قرآن مجید ان لوگوں کے مکر و فریب کا پردہ چاک کر دیتا ہے اور یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اب اپنے جد امجد اسرائیل کے ساتھ کوئی نظریاتی یا روحانی تعلق نہیں ہے۔

............O............

اس بیان کی روشنی میں وہ فرق و امتیاز کھل کر سامنے آ جاتا ہے جو دور رفتہ کی امت مسلمہ اور تحریک اسلامی کے مزاحم بنی اسرائیل کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ دور رفتہ کی اس امت مسلمہ اور اب کے اس نام نہاد جانشینوں کے درمیان کوئی تعلق کوئی وراثت اور کوئی روحانی وراثت کا تعلق نہیں ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

"وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا' وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔"

ہر شخص اپنا حساب خود دے گا۔ ہر ایک کا اپنا راستہ ہے' ہر ایک کا ایک عنوان ہے اور ہر کسی کی اپنی خصوصیات ہیں۔ وہ ایک مومن جماعت تھی جس کا بعد میں آنے والے اس کے فاسق جانشینوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعد میں آنے والے ناخلف اور نالائقوں کا ان پاک بازوں سے کیا واسطہ؟ وہ اک علیحدہ جماعت تھے اور یہ ایک علیحدہ جماعت ہیں۔ ان کا جھنڈا علیحدہ تھا اور ان کا جھنڈا جدا ہے۔ ان کا تصور حیات ایک ایمانی تصور حیات تھا اور ان نالائقوں کا تصور حیات بالکل جاہل تصور ہے۔ جاہلی تصور حیات میں ایک جماعت اور دوسری جماعت اور ایک دور اور دوسرے دور میں فرق نہیں کیا جاتا کیونکہ اس تصور کے مطابق اگر دو معاشروں کے درمیان اگر خون اور نسب کا اتحاد ہے تو گویا دونوں معاشرے ایک ہیں لیکن ایمانی تصور حیات میں ایک مومن معاشرے اور ایک فاسق معاشرے کے درمیان امتیاز ہوتا۔ ان کے درمیان کوئی ایک رشتہ داری نہیں ہوتی۔ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ یہ دونوں معاشرے ایک امت بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دونوں علیحدہ امتیں ہیں۔ اس لئے مومنین کی اقدار حیات کے مطابق بھی یہ دونوں مختلف اور متضاد ہیں۔ اسلامی تصور حیات کے مطابق ایک امت صرف وہ ہوتی' جو صرف ایک نظریۂ حیات اور عقیدہ پر ایمان رکھتی ہو' چاہے جسمانی تعلق کے لحاظ اور رنگ نسل کے اعتبار سے اس کا تعلق مختلف علاقوں سے ہو۔ اسلامی جماعت کا تعلق کسی زمین کسی علاقے یا کسی رنگ و نسل سے نہیں ہوتا' یہ وہ تصورِ حیات ہے جو شرف انسانیت کے زیادہ مناسب ہے۔ جس کی اساس بلند اور عالم بالا کی روحانیت پر ہے اور اس کی بنیاد خاکی اور سفلی تعلقات پر نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے تاریخی واقعات کے اس تفصیلی بیان کے ضمن میں' مسلمانوں کے بیت الحرام اور کعبہ کی تاریخ کے بیان کے ضمن میں اور اسلامی نظام زندگی کی حقیقت اور موروثی تصورات کی حقیقت کے بیان کے ضمن میں' اب قرآن کریم معاصر اہل کتاب کے بوگس دعوؤں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور ان کے غلط خیالات' بے بنیاد دلائل اور غیر معقول مباحث کی تردید کرتا ہے' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سب تصورات دلائل کے اعتبار سے اور بحث و جدال کے میدان میں پائے چوبین ہیں۔ اور محض ضد' عناد پر مبنی ہیں اور ان کے ان مزعومات کے حق میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ یوں قرآن مجید یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلامی نظریات و عقائد دراصل معقول اور فطری عقائد ہیں۔ اور ان سے انحراف صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو صرف ضدی اور معاند ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَ

الْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

"یہودی کہتے ہیں! یہودی ہو جاؤ ہدایت پاؤ گے۔ عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ ان سے کہو 'نہیں بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم ؑ کا طریقہ...... اور ابراہیم ؑ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم ؑ' اسماعیل ؑ' اسحاق ؑ' یعقوب ؑ اور اولاد یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔ پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے تو ہدایت پر ہیں اور اگر وہ اس سے منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں۔ لہٰذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

کہو اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اس کے رنگ سے اچھا اور کوئی رنگ نہ ہو گا؟ اور ہم اس کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔

اے نبی ان سے کہو! کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں' تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں' اور ہم اللہ کے لئے اپنی بندگی کو خالص کر چکے ہیں یا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم ؑ' اسماعیل ؑ' اسحاق ؑ و یعقوب ؑ اور اولاد یعقوبؑ سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ تمہاری حرکات سے اللہ تو غافل نہیں ہے وہ کچھ لوگ تھے جو گزر چکے۔ ان کی کمائی ان کے لئے تھی اور تمہاری تمہارے لئے۔ تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں ہو گا۔"

یہودیوں کا کہنا یہ تھا کہ تم یہودیت اختیار کر لو تو راہ ہدایت پا لو گے اور عیسائیوں کا کہنا یہ تھا کہ عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پا لو گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان دونوں دعووں کو جمع کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ وہ ان الفاظ میں ان کے ان باطل دعووں کی تردید فرما دیں۔ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ "کہو بلکہ ملت ابراہیم ؑ راہ ہدایت ہے جو مشرکین میں سے

نہ تھے۔"

حضور کو سمجھایا گیا کہ آپ ان سے کہہ دیں' آیئے ہم اور آپ سب اپنے اصل کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔ یعنی ملت ابراہیمی کی طرف جو ہمارے بھی باپ ہیں اور آپ کے بھی جد امجد ہیں اور اسلام کا اصل منبع اور سرچشمہ ہیں اور ان کے رب سے ان سے ساتھ جو عہد کیا ہوا تھا اور وہ مشرک نہ تھے' جبکہ آپ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عظیم دینی وحدت کے اور دینی اتحاد کے اعلان کا حکم دیتے ہیں' جو دین ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا اور جس کی آخری کڑی اب اسلام ہے۔ اہل کتاب کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اس متحدہ اور مسلسل دین پر ایمان لائیں قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ "کہو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم علیہ السلام' اسماعیل علیہ السلام' اسحاق علیہ السلام' یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔"

یہ سب ملتوں کا اتحاد ہے۔ سب رسولوں کے درمیان وحدت ہے اور یہ اسلامی تصور حیات کی اساس ہے۔ اور یہی وہ فکر ہے جو امت مسلمہ کو ایک ایسی ملت بنادیتی ہے جو اس زمین پر اس نظریہ کی واحد حامل اور وارث ہے جو نظریہ اللہ کے دین پر مبنی ہے۔ اور جس کی جڑ اصل ابراہیمی سے مربوط ہے اور جس کی وجہ سے ...... یہ امت انسانی تاریخ میں ہدایت اور روشنی کی علمبردار ہے۔ اور یہی تصور حیات ہے جو اسلامی نظام زندگی کو ایک حقیقی عالمی نظام بنادیتا ہے جس میں کوئی تعصب نہیں ہے۔ اور کوئی ظلم و استحصال نہیں ہے اور جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ ایک کھلا OpenSociety معاشرہ قرار پاتا ہے جس کے دروازے تمام انسانوں کے لئے وا ہیں۔ اور ان افراد معاشرہ کے درمیان باہم مکمل انس و محبت پائی جاتی ہے۔

اس لئے یہاں دوران کلام ایک فیصلہ کن بات بتادی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اس بات پر ڈٹ جائیں۔ وہ یہ کہ یہی عقیدہ اور یہی تصور حیات راہ ہدایت ہے۔ جس نے اس تصور حیات اور اس راہ کو اپنالیا تو گویا اس نے منزل مراد کو پالیا۔ اور جو شخص اس حقیقت سے منہ موڑ لے گا تو وہ کبھی بھی ثابت قدمی سے کسی مقام پر ٹک نہ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم تمام ایسے فرقوں سے اختلاف کرتا ہے جو ثابت قدمی سے کسی اصولی موقف پر قائم نہ ہوں۔ قرآن کہتا ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو' تو ہدایت پر ہیں اور اگر اس سے منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں۔

یہ کلمات الٰہی ہیں اور یہ خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے شہادت ہے۔ یوں قلب مومن کو ایک گونہ احساس عزت دلایا جاتا ہے کہ وہ جس موقف کو اختیار کئے ہوئے ہیں وہ قابل فخر بات ہے۔ کیونکہ ان کو لوگوں کے لئے ایک معیار اور ایک ماڈل قرار دیا جارہا ہے۔ اور یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا ایمان ایسا ہونا چاہئے جس طرح کا ایمان تمہارا ہے ورنہ وہ منکر حق' دشمنان دین اور ہٹ دھرم قرار پائیں گے اور کوئی مومن گمراہوں اور کافروں کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ اسے ایسے لوگوں کے ساتھ کسی مناقشہ کی ضرورت ہے۔ نہ اسے ان کے خلاف کسی سازش یا چالبازی کی ضرورت ہے نہ ان کے ساتھ جنگ و جدال اور مقابلہ و معارضہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی جانب سے از خود ان کے مقابلے کے لئے کافی ہے۔ وہ خود ان سے نمٹ لے گا۔ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ "ان کے

مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے وہ سننے اور جاننے والا ہے۔"

ایک مومن کی ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ وہ اپنی راہ پر سیدھا چلتا رہے۔ اور وہ اس حق کو مضبوطی سے تھام لے جو اس نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے پایا ہے۔ وہ اس رنگ میں رنگا ہے جو اللہ کے دوستوں کا رنگ ہوتا ہے اور وہ دنیا میں اپنے اس مخصوص رنگ سے پہچانے جاتے ہیں۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ "اللہ کا رنگ اختیار کرو' اس کے رنگ سے اچھا کوئی رنگ نہیں ہے اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔"

اور اللہ کا یہ رنگ اللہ تعالیٰ کا وہ آخری پیغام ہے جو اس نے عالم بشریت کو دیا ہے۔ تاکہ اس رنگ میں انسانیت کا ایک وسیع تر حصہ رنگ جائے اور انسانیت ایسے وسعت پذیر اصولوں پر مجتمع ہو جائے جن میں نہ کوئی تعصب ہو' نہ کوئی بغض و کینہ ہو' نہ ان میں محدود قومیت ہو اور نہ محدود رنگ ہو۔

یہاں قرآن مجید کے اسلوب ادا کے ایک خاص رنگ کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ اور اس طرز ادا میں ایک گہرا مفہوم پوشیدہ ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس آیت کا پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک بیانیہ ہے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً "اللہ کا رنگ اختیار کرو' اس سے زیادہ اچھا کس کا رنگ ہو گا۔"

اور اس آیت کا باقی حصہ بطور کلام مومنین ہے اور سیاق کلام میں دونوں کلاموں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ اگرچہ آیت کے دونوں حصے کلام الٰہی ہیں۔ لیکن ایک میں متکلم اللہ میاں اور دوسرے میں مؤمنین ہیں۔ مؤمنین صادقین کی یہ ایک عظیم عزت افزائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تکلم کو اپنے کلام کا جز بنا دیا جو ایک ہی فقرہ ہے۔ اس سے اس حقیقت کا اظہار مطلوب ہے کہ مومنین کا اپنے رب کے ساتھ ایک گہرا رابطہ ہے۔ اس قسم کے بیان کی کئی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں اور ان کی بہت بڑی اہمیت ہے۔

اب قرآن مجید کی یہ دندان شکن حجت اور دلیل اپنے فیصلہ کن انجام تک یوں پہنچتی ہے۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝

"اے نبی ان سے کہو! کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو۔ حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے' تمہارے لئے۔ اور ہم اللہ ہی کے لئے اپنی بندگی خالص کر چکے ہیں۔

اللہ کی وحدانیت اور اللہ کی صفت ربوبیت میں کسی کو مجال اختلاف نہیں۔ وہ ہمارا بھی رب اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہم اپنے اعمال کا حساب دیں گے اور تم اپنے اعمال کے جوابدہ ہو گے۔ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم صرف اس کے ہو گئے ہیں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور اس کے ساتھ کسی اور سے امیدیں وابستہ نہیں کرتے۔ یوں اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی زبانی ان کے نظریاتی موقف کی وضاحت فرماتے ہیں اور یہ موقف ایسا ہے کہ جس میں بحث و مباحثہ اور نزاع و اختلاف کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے۔

اب اس ناقابل نزاع موقف سے روئے سخن ایک دوسرے موضوع کی طرف پھر جاتا ہے' جس میں اختلاف موجود تھا' لیکن بتایا جاتا ہے کہ اس میں بھی جو اختلاف کیا گیا وہ بھی غیر ضروری اور غیر معقول اختلاف ہے۔ فرماتے ہیں۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی "یا پھر تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟"

یہ لوگ تو حضرت موسیٰ سے بھی پہلے گزرے ہیں اور یہودیت اور نصرانیت کے وجود میں آنے سے بھی بہت پہلے گزرے ہیں۔ اور

ان کے دین کی حقیقت اللہ نے بیان بھی کر دی ہے۔ اور اس کی گواہی دے دی ہے کہ ان کا دین اسلام تھا۔ جس طرح اوپر تفصیل سے بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قُلْ ءَ أَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ "کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟"

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے موقف پر صرف ایک سوال کر دیا ہے۔ اس لئے کہ ان کا موقف بادی النظر میں غلط تھا۔ جواب دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ صرف سوالیہ نظروں سے تنبیہہ کر دی گئی۔

اس کے بعد بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے کہا جاتا ہے کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ حضرات یہودیت اور نصرانیت کے وجود میں آنے سے بھی پہلے گزرے ہیں۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ اس ابتدائی دین کے حامل تھے جسے حنفیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ کہ تمہاری کتابوں میں، تمہارے پاس یہ شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب نبی آخر الزمان کو الٰہی دین حنیف کے ساتھ بھیجنے والے ہیں۔ جو دین ابراہیم ؑ بھی ہے لیکن تم اس شہادت کو چھپا رہے ہو۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ "اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔"

اور اللہ کو اس بات کی اچھی طرح خبر ہے کہ جس شہادت کو تمہارے پاس بطور امامت ودیعت کیا گیا تھا، اسے تم چھپا رہے ہو۔ اور اس کے برعکس تم اسے چھپانے کے لئے بحث و جدال اور تلبیس بھی کر رہے ہو۔ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ "اور اللہ اس بات سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔"

اب بات اپنی انتہائی بلندی تک جا پہنچتی ہے۔ اس مسئلے کا خاطر خواہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور یہ بتا دیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ، حضرت اسماعیل ؑ، حضرت اسحاق ؑ اور حضرت یعقوب ؑ اور اولاد یعقوبؑ کے مابین اور ان کے موجود نام نہاد پیرو کاروں کے درمیان مکمل تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ کچھ اور تھے اور یہ کچھ اور۔ اس لئے یہاں خاتمہ کلام اسی فقرے پر کیا جاتا ہے جو پہلے گزر چکا ہے تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ "یہ کچھ لوگ تھے جو گزر چکے۔ ان کی کمائی ان کے لئے تھی اور تمہاری کمائی تمہارے لئے۔ تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہ ہو گا۔"

یہ ہے ایک فیصلہ کن بات اب گویا نزاع ختم کر دیا گیا ہے اور ان لوگوں کے فضول دعوؤں کے متعلق آخری بات کہہ دی گئی۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆